جائز اور پُر امن ذرائع سے دنیا میں صحیح اسلامی حکومت قائم کرنا ہمارا فرض ہے۔

(فرمودہ ۱۳؍ مارچ ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے بارہا جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہر عمارت اپنے اندر کئی حصے رکھتی ہے اور جب تک وہ سب حصے پورے نہ ہوں اُس وقت تک وہ فوائد جو اُس عمارت سے مدنظر ہوں کبھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایک قلعہ جس غرض کیلئے بنایا گیا ہو اگر وہ اُس غرض کو پورا نہیں کرتا تو وہ قلعہ نہیں کہلا سکتا۔ مثلاً چاروں طرف دیوار بنا دی جائے لیکن اِتنی موٹی دیوار نہ بنائی جائے جو توپوں اور گولوں کا مقابلہ کر سکے یا موٹی دیوار تو بنا دی جائے لیکن ایسے مصالحہ سے نہ بنائی جائے جو دشمن کے گولوں کا مقابل کر سکے یا دیواریں تو ایسے مصالحہ سے بنا دی جائیں جو گولوں کا مقابلہ کر سکیں مگر چاروں طرف نہ بنائی جائیں بلکہ اس کا کوئی حصہ کھلا چھوڑ دیا جائے ایسی صورت میں وہ دیواریں قلعہ کی دیواریں نہیں کہلا سکتیں اور نہ قلعہ سے پورا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یا مثلاً نہریں ہیں اگر کوئی شخص نہریں کسی مُلک میں جاری کر دے لیکن ان کی سطح دوسری زمین سے اونچی نہ رکھے بلکہ زمینیں اونچی ہوں اور نہریں نیچی تو وہ نہریں کوئی فائدہ نہیں دے سکتیں کیونکہ اُن کا پانی بغیر کسی فائدہ کے بہتا چلا جائے گا۔ یا مثلاً کوئی شخص مکان بنائے لیکن اُس پر چھت نہ ڈالے تو ایسی صورت میں مکان سے جو حفاظت مطلوب ہے وہ حاصل نہ ہو سکے گی۔ یا مکان پر چھت تو ڈال دے لیکن

چار کی بجائے تین دیواریں بنادے یا دیواریں تو چاروں بنادے مگر فرض کرو وہ دروازہ نہ رکھے تب بھی اس مکان سے وہ فائدہ حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ اس مکان میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یا دیواریں بھی بنادے اور دروازے بھی رکھ دے، چھت بھی ڈال دے مگر کواڑ نہ بنائے تب بھی مکان سے وہ پورا فائدہ حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ دروازے کھلے رہنے کی وجہ سے چور آئیں گے اور اس کی چیزیں اُٹھا کر لے جائیں گے۔ غرض جب ہم کسی چیز کو بناتے یا اسے حاصل کرتے ہیں تو ہمارے لئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ جو فوائد اس چیز سے مطلوب ہیں آیا وہ اس سے حاصل ہوتے ہیں یا نہیں اور آیا اس چیز کی ساری شِقّیں کامل ہیں یا نہیں؟ اگر اس کی تمام شِقّیں کامل ہوں تو ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ جو فوائد اس چیز سے حاصل ہو سکتے ہیں ہمیں بھی حاصل ہو جائیں گے اور اگر اس کی تمام شِقّیں کامل نہیں تو ہمیں اس فائدہ کی امید بھی نہیں رکھنی چاہئے جو تمام شِقّوں کے کامل ہونے کی صورت میں اس سے حاصل ہوسکتا ہے۔

اِس تمہید کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ جس طرح اِس دنیا کی چھوٹی بڑی تمام عمارتوں کی جہات ہیں، دیواریں ہیں، چھتیں ہیں، فرش ہیں، موریاں ہیں، کھڑکیاں ہیں، دروازے ہیں، الماریاں ہیں اور روشندان ہیں اسی طرح مذاہب کے بھی چھت ہیں، مذاہب کی بھی دیواریں ہیں اور مذاہب کے بھی دروازے، کھڑکیاں، روشندان، کھونٹیاں اور فرش وغیرہ ہیں اور مذہب بھی کسی ایک چیز کا نام نہیں ہوتا بلکہ اس نام کے اندر بہت سی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ اگر وہ مشمولہ اشیاء اپنی اپنی جگہ پر موجود ہوں تو ان فوائد کا حاصل ہونا یقینی ہوتا ہے جو مذہب پر عمل کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر وہ مشمولہ اشیاء نہ ہوں تو ان فوائد کا حاصل ہونا بالکل غیر معقول اور خلاف عقل ہوگا۔

ہم لوگ جو مسلمان کہلاتے اور قرآن کریم کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرنے کے مدعی ہیں اس زمانہ میں ہماری حالت عجیب قسم کی ہے۔ قرآن کریم کے احکام کے دو حصے ہیں ایک حصہ قرآن کریم کے احکام کا وہ ہے جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ایک حصہ قرآن کریم کے احکام کا وہ ہے جو افراد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جو حصہ قرآن کریم کے احکام کا افراد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اُس پر ہر جگہ انسان عمل کرسکتا ہے خواہ وہ آبادی میں ہو خواہ جنگل میں، خواہ میدانوں میں

ہو خواہ پہاڑوں میں، خواہ گاؤں میں ہو خواہ شہروں میں اور جو لوگ دنیا کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں وہ اپنے اپنے طور پر ان احکام کو اگر پورا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً نماز کا حکم ہے یا روزہ رکھنے کا حکم ہے یا صدقہ و خیرات دینے کا حکم ہے ان احکام پر جہاں جہاں کوئی مسلمان ہوگا عمل کرے گا اور وہ اپنے لئے ان احکام پر عمل کرنے کی کوئی راہ تلاش کرلے گا جس میں اسے کوئی دِقّت پیش نہیں آئے گی لیکن قرآن کریم کے وہ احکام جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ نظام کے ذریعہ ہی پورے ہو سکتے ہیں اس کے بغیر نہیں۔ مثلاً زکوٰۃ ہے اگر دنیا میں کوئی اسلامی حکومت نہیں یا حکومتِ اسلامی کی عدم موجودگی کے بعد مسلمانوں میں کوئی نظام بھی موجود نہیں تو زکوٰۃ کا فریضہ صحیح معنوں میں ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ زکوٰۃ کے متعلق اسلامی تعلیم یہ ہے کہ وہ ایک جگہ جمع ہونی چاہئے اور پھر عقل کے ساتھ اسے مقررہ مواقع پر خرچ کرنا چاہئے۔ یا مثلاً مسلمانوں کی تعلیم کو ایک سطح پر لانے کا سوال ہے یہ افراد کے ذریعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی کسی رنگ کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور کوئی کسی رنگ کی، کوئی زیادہ تعلیم حاصل کرتا ہے کوئی کم اور اِس طرح ایک سطح پر وہ اپنے آپ کو نہیں لا سکتے۔ یا مثلاً جہاد ہے اگر جہاد کی کسی وقت ضرورت پیش آجائے اور کوئی حکومت ظالمانہ طور پر مسلمانوں کو اس لئے قتل کرنا شروع کر دے کہ وہ کیوں مسلمان ہیں اور تلوار کے زور سے ان کا مذہب تبدیل کر کے انہیں اسلام سے منحرف کرنا چاہے تو ایسے موقع پر اور صرف ایسے موقع پر جہاد بِالسیف جائز ہے مگر یہ حکم بغیر نظام کے پورا نہیں ہو سکتا۔ میں ضمنی طور پر یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کی سخت غلطی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کافر ملے اسے مار ڈالو۔ اگر کافروں کو مارنا ہی جہاد ہے تو پھر اسلام میں ہم کس کو داخل کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ کافر کو اسلام مارنا نہیں چاہتا بلکہ اسے محبت کا قیدی بنانا چاہتا ہے کیونکہ اسلام دنیا میں ہلاکت برپا کرنے کیلئے نہیں آیا بلکہ لوگوں کو زندگی دینے کیلئے آیا ہے۔

پس جہاد کے یہ معنی نہیں کہ غیر مُسلم کا سر کاٹ دیا جائے بلکہ جو شخص بِلا وجہ کسی غیر مُسلم کا سر کاٹتا اور اُسے قتل کرتا ہے اِسلام اُسے قاتل اور جہنمی سمجھتا ہے۔ جہاد بِالسیف صرف اُس وقت جائز ہوتا ہے جب کوئی قوم مسلمانوں پر اس وجہ سے حملہ آور ہو کہ کیوں انہوں نے اسلام قبول کیا اور بزورِ شمشیر انہیں مذہب سے منحرف کرنا چاہے اگر اس طریق کی اجازت دی جائے اور اس کا

مقابلہ نہ کیا جائے تو پھر مذہب دنیا میں باقی ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے اسلام نے حکم دیا ہے کہ جب اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو غیر مُسلموں کا مقابلہ کرو مگر یہ مقابلہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کے پاس ایک جتھہ ہو اور ان میں نظام پایا جاتا ہو۔ اگر ان کے پاس جتھہ نہیں اور اگر ان میں نظام نہیں اور انفرادی طور پر ایک ایک مسلمان دشمن کے مقابلہ کیلئے جائے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ پس جہاد بھی ان احکام میں سے ہے جن میں ایک جتھہ اور نظام کی ضرورت ہے تا مسلمان یکجائی طور پر ایک ظالم حکومت یا ظالم قوم کا مقابلہ کر سکیں افراد اس حکم کو کماحقہ نہیں بجالا سکتے۔

پھر اسلام کے جو احکامات حکومت اور جتھہ اور نظام سے تعلق رکھتے ہیں وہ آگے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کُلّی طور پر حکومت کے اپنے اختیار میں ہوتے ہیں اور ایک وہ جو کُلّی طور پر نظام کے اختیار میں ہوتے ہیں اور ایک وہ جو اپنی مرضی پر منحصر ہوتے ہیں۔ خواہ حکومت انہیں اپنے قبضہ میں رکھے خواہ اقوام کو آزاد چھوڑ دے۔ کُلّی طور پر حکومت کے قبضہ میں رہنے والے اختیارات کی مثال ایسی ہی ہے جیسے قاتل کو قتل کی سزا دینا۔ یہ کُلّی طور پر حکومت کے قبضہ میں ہے اور کوئی شخص کسی کو اس لئے قتل نہیں کر سکتا کہ اس کے علم میں وہ یقینی طور پر قاتل ہے کیونکہ قاتل کا علم اسے قتل کی سزا دینے کا اختیار نہیں دے دیتا یہ پورے طور پر حکومت کے اختیار میں ہے اور وہی اس اختیار کے ماتحت قاتل کو گرفتار کر کے اسے سزا دے سکتی ہے اور اگر کوئی حکومت قاتل کو قتل نہیں کرتی تو بے شک وہ ظلم کرے گی لیکن وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ بندوں کا یہ کام نہیں کہ وہ آپ ہی آپ قاتل کی تحقیق کر کے اسے سزا دے دیں یا مثلاً چوری کی سزا موجودہ قانون میں قید ہے یہ سزا بھی حکومت نے اپنے قبضہ میں رکھی ہوئی ہے اور کسی دوسرے کا یہ حق نہیں کہ وہ خود بخود کسی چور کو چوری کی سزا دے دے۔ اب جو نظام سے تعلق رکھنے والے احکام ہیں ہمارے لئے ان میں ایک مشکل پیدا ہو رہی ہے اور وہ یہ کہ اِس زمانہ میں ہم پر جو حکومت ہے وہ غیر مُسلم ہے اور اس کا نظام بعض جرائم کی اَور سزا دیتا ہے اور اسلامی نظام ان جرائم کی اَور رنگ میں سزا تجویز کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لازمی طور پر اسلامی تعلیم کی ایک شِقّ باطل رہتی ہے۔ مثلاً اسلام ایک قاتل کے متعلق جس رنگ میں تحقیقات کا حکم دیتا اور جو سزا اس کیلئے تجویز کرتا ہے یا ایک چور کے متعلق

جس رنگ میں تحقیقات کا حکم دیتا اور جو سزا اس کیلئے تجویز کرتا ہے وہ مسلمانوں کے اختیار میں نہیں بلکہ حکومت کے اختیار میں ہے اور اس طرح ہم موجودہ دَور میں ایسے حالات میں گھِرے ہوئے ہیں کہ اسلامی تعلیم کے بعض حصوں کو پورا کرنے کا اختیار نہیں رکھتے مگر اور بہت سے حصے ایسے ہیں جو باوجود اس کے کہ نظام سے تعلق رکھتے ہیں حکومت نے ان سے اپنا ہاتھ کھینچ رکھا ہے اور لوگوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ جس رنگ میں چاہیں ان امور کا آپس میں فیصلہ کرلیں۔ مثلاً مقدمات کا ایک حصہ ایسا ہے جس کے متعلق حکومت کہتی ہے کہ اسے ضرور ہمارے پاس لاؤ لیکن ایک حصہ ایسا بھی ہے جس میں وہ کہتی ہے کہ اس کا ہمارے پاس لانا یا نہ لانا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ اگر تم چاہو تو ان مقدمات کو ہمارے پاس لے آؤ اور اگر نہ چاہو تو نہ لاؤ۔ ایسے تمام معاملات اور اختیارات میں جن میں حکومت دخل نہیں دیتی اور اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے کی لوگوں کو اجازت دیتی ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان امور کا اسلامی تعلیم کے مطابق فیصلہ کریں۔ کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ جب حکومت نے ان امور میں دخل اندازی پسند نہیں کی اور ہماری مرضی پر چھوڑ دیا ہے ہم ان کا فیصلہ اسلامی تعلیم کے مطابق نہ کریں۔ ایسے بیسیوں معاملات ہیں جن کے متعلق ہم صحیح اسلامی حکومت کا نقشہ قائم کر سکتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کا مسئلہ ہے زکوٰۃ انگریزی حکومت نہیں لیتی اور نہ کسی کو زکوٰۃ دینے پر مجبور کرتی ہے اور چونکہ انگریزی حکومت اِس میں دخل نہیں دیتی اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اگر مسلمانوں میں نظام موجود ہو تو وہ زکوٰۃ لے کر اسلامی طریق کے ماتحت اس کی تقسیم کا انتظام نہ کریں۔ وہ اگر چاہیں تو ایسے امور میں اسلامی طریق اور شریعت کے مطابق کام کر سکتے ہیں اور جس حد تک وہ اسلامی تعمیر کو مکمل کر سکتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اسے مکمل کریں کیونکہ سارے اختیارات تو انہیں حاصل نہیں اس لئے یہی ہوسکتا ہے کہ جن امور میں حکومت دخل نہیں دیتی اور انہیں حسبِ منشاء کام کرنے کا اختیار دیتی ہے ان میں وہ اسلامی تعلیم کے مطابق فیصلے کریں۔ یہی چیز ہے جسے شروع خلافت سے میں نے اپنے مدنظر رکھا ہے اور جس کی وجہ سے مَیں اپنوں کی نگاہ میں بھی کئی دفعہ بدنام ہوا ہوں اور غیروں کی نگاہ میں بھی۔ غیر بھی مجھے کہتے ہیں کہ یہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اور اپنے بھی کئی دفعہ جب انہیں ضرر پہنچتا ہے کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ اپنی حکومت قائم کررہا ہے حالانکہ میں اپنی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں

اور جہاں حکومت مجھے اجازت دیتی ہے وہاں میں اسلام کی حکومت قائم کرنے کیلئے اپنا پورا زور لگاتا ہوں، لگاتا چلا آیا ہوں اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ لگاتا چلا جاؤں گا اس بات میں نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ خوف۔ جب مجھے نظر آتا ہو کہ قرآن کریم ایک معاملہ میں فلاں حکم دیتا ہے، جب مجھے نظر آتا ہو کہ حکومت اِس معاملہ میں مجھے اجازت دیتی ہے کہ میں جس طرح چاہوں کروں اور جب مجھے نظر آتا ہو کہ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنا سب کچھ آپ کیلئے قربان کر دیا تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ میں اس معاملہ میں اسلامی حکم جاری نہ کروں اور کیا خدا تعالیٰ کے سامنے میرا عذر قابلِ سماعت ہوگا کہ میں نے اس معاملہ میں اسلامی حکم کو اس لئے جاری نہیں کیا کہ حکومت غیر تھی؟ خدا تعالیٰ کہے گا بے شک حکومت غیر تھی مگر جب اسی حکومت نے تمہیں اجازت دے رکھی تھی کہ ان معاملات میں تم جو چاہو فیصلہ کرو اور پھر جب لوگوں نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ہمیں ہر فیصلہ منظور ہے تو پھر تم نے کیوں اسلامی فیصلہ کا اِجرا نہ کیا اور کیوں اسلامی تعلیم اس معاملہ میں دنیا میں قائم نہ کی؟ جب فیصلہ ماننے والے کہتے تھے کہ ہمیں ہر فیصلہ منظور ہے اور ہم اسے ماننے کیلئے تیار ہیں، جب حکومت کہتی تھی کہ بہت اچھا اس معاملہ میں ہم دخل نہیں دیتے تم جو چاہو فیصلہ کرلو تو پھر کونسی روک درمیان میں حائل تھی کہ تم نے اسلامی فیصلہ کا اِجرا نہ کیا؟

پس اسلامی تعلیم کو دنیا میں قائم کرنا، شریعت کے مطابق لوگوں کے جھگڑوں کا تصفیہ کرنا اور جرائم کی اسلامی تعزیر کے مطابق ناقابلِ دست اندازی پولیس معاملات میں سزا دینا ہمارا فرض ہے سوائے اُن باتوں کے جن میں حکومت ہمارا ہاتھ روک دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم ان معاملات میں تمہیں اپنا حکم چلانے نہیں دیتے اِس کے سِوا ادنیٰ سے ادنیٰ اسلامی حکم جاری کرنا اور اسلامی حکومت کا ہر نقشہ دنیا میں قائم کر دینا ضروری ہے مگر وہ حصہ جو حکومت نے اپنے اختیار میں رکھا ہؤا ہے اُس میں ہم دخل نہیں دیتے اور نہ دے سکتے ہیں۔ اگر دشمن ہماری اِس کوشش اور جدوجہد کا نام اپنی حکومت قائم کرنا رکھتا ہے تو رکھے ہمیں اِس کی پرواہ نہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں مگر وہ روحانی حکومت ہے اور ہم نے تو کبھی بھی یہ بات نہیں چھپائی کہ ہم دنیا میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہم کھلے طور پر کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت دنیا پر قائم

کر کے رہیں گے اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ ہم جس چیز کا انکار کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تلوار اور فتنہ وفساد کے زور سے ہم اسلامی حکومت قائم نہیں کریں گے بلکہ دلوں کو فتح کر کے اسلامی حکومت قائم کریں گے۔ کیا کوئی خیال کرسکتا ہے کہ اگر آج میرے بس میں یہ ہو کہ میں انگلستان کے تمام لوگوں کو مسلمان بنا دوں، وہاں کے وزراء کو اسلام میں داخل کر دوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو بھی مسلمان بنا کر وہاں اسلامی حکومت قائم کر دوں تو میں اپنے اس اختیار سے کام لینے سے انکار کروں گا؟ میں تو ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ فوراً ان لوگوں کو مسلمان بنا کر انگلستان میں اسلامی حکومت قائم کر دوں لیکن چونکہ یہ میرے بس کی بات نہیں اس لئے میں کر نہیں سکتا۔ ورنہ میں اس بات سے انکار تو نہیں کرتا کہ میرے دل میں یہ خیال ہے اور یقیناً میرے دل کی خواہش ہے کہ ہمارے بادشاہ مسلمان ہو جائیں، وزراء بھی مسلمان ہو جائیں، پارلیمنٹ کے ممبر بھی مسلمان ہو جائیں اور برطانیہ کے تمام باشندے بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس میں اگر دیر ہے تو اس لئے نہیں کہ میری یہ خواہش نہیں کہ وہ مسلمان ہوں بلکہ اس لئے دیر ہے کہ اُن کو مسلمان کرنا میرے اختیار میں نہیں اور اِس وجہ سے وہاں اسلامی حکومت قائم نہیں کی جاسکتی۔ ورنہ اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے میرے دل میں تو اتنی زبردست خواہش ہے کہ اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا اور اپنی اس خواہش کا میں نے کبھی انکار نہیں کیا اور اگر میں انکار کروں اور میرے دل میں اسلامی حکومت کے قائم کرنے کی خواہش نہ ہو تو اسلام کے احکام کے وہ حصے پورے کس طرح ہو سکتے ہیں جن کیلئے ایک نظام کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی شخص پسند کرے گا کہ اُس کا گھر ادھورا رہے؟ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے متعلق یہ پسند نہیں کرسکتا کہ وہ ادھورا رہے تو خدا تعالیٰ کے گھر کے متعلق وہ یہ امر کب پسند کرے گا۔ اس میں کیا شک ہے کہ جب تک تمام دنیا مسلمان نہیں ہوتی اور خود حکومت، اسلامی حکومت نہیں ہو جاتی اُس وقت تک اسلام کی عمارت کانی رہتی ہے اور اپنی عمارت کا کانا ہونا کون پسند کرسکتا ہے۔ جب ہر شخص اپنی عمارت کو مکمل دیکھنا چاہتا ہے تو کب کوئی عقلمند ہم سے یہ امید رکھ سکتا ہے کہ ہم اسلام کی عمارت کو کانا رکھنا پسند کریں گے۔ اگر انگریز عیسائی ہی رہیں، یہودی یہودی ہی رہیں، ہندو ہندو ہی رہیں تو اسلامی حکومت دنیا میں قائم نہیں ہوسکتی۔ ہاں اس کے قائم کرنے کا ایک طریق ہے اور اس طریق کے ذریعہ ہی دنیا میں ہمیشہ

کام ہؤا کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کانا ہو اور وہ کسی دوسرے سوجاکھے کی آنکھ نکال کر اپنا کانا پن دور کرنا چاہے تو سارے لوگ اُسے بیوقوف ہی سمجھیں گے کیونکہ دوسرے کی آنکھ نکال کر اُس کا کانا پن دور نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی بیوقوف یہ سمجھے کہ چند انگریزوں کو مار کر یا فتنہ وفساد پیدا کر کے وہ اسلامی حکومت قائم کر سکے گا تو وہ حماقت کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اگر فرض کر و وہ چند انگریزوں کو نہیں بلکہ تمام انگریزوں پر حملہ کرتا ہے اور انگریز اس حملہ کی تاب نہ لا کر ملک چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں تب بھی اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔ حکومت اگر قائم ہوگئی تو ہندوؤں کی کیونکہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں تین ہندو ہیں اور جس طرح مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدّن اور اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں اِسی طرح ہندوؤں کا بھی حق ہے کہ وہ ہندو تہذیب، ہندو تمدّن اور ہندو حکومت قائم کریں۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ انگریزوں کو اس لئے ماریں کہ وہ اسلام میں داخل نہیں اور انہیں اپنے ملک سے اس لئے نکالیں کہ وہ انگریزی حکومت کی بجائے اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو یقیناً ہندوؤں کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں کو ماریں اور انہیں اپنے مُلک سے نکال کر ہندو حکومت قائم کریں اور ایسی صورت میں ہندوؤں کے فعل پر اعتراض کرنا بالکل پاگل پن ہوگا۔ جو چیز ہمارے لئے جائز ہے وہ ہمارے غیر کیلئے بھی جائز ہونی چاہیئے ورنہ یہ خدائی تعلیم نہیں ہوگی کہ وہ مسلمانوں کو تو اختیار دے دے کہ وہ اسلامی حکومت کو قائم کرنے کی کوشش کریں لیکن ہندوؤں کو اپنی حکومت قائم کرنے کا اختیار نہ دے۔ ایسی تعلیم دینے والا خدا نہیں بلکہ سوتیلا باپ ہوگا جو اپنے بیٹے کی تو پرورش کرتا ہے مگر دوسرے کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کو ہم اپنا حق قرار دیتے ہوں اُسی کو دوسرے کا حق بھی تسلیم کرنے کیلئے تیار رہیں۔

پس یہ طریق بالکل نادرست ہے اور میں ہمیشہ اِس کی مخالفت کرتا رہا ہوں لیکن جائز اور پُرامن طریق سے اسلامی حکومت قائم کرنا ہماری دلی خواہش ہے اور میں سمجھتا ہوں ہم میں سے ہر ایک کے دل میں یہ آگ ہونی چاہیئے کہ ہم موجودہ طرزِ حکومت کی بجائے حکومت اسلامی قائم کریں۔ یہ طبعی خواہش ہے اور میرے دل میں ہر وقت موجود رہتی ہے اور میں نے اِس خواہش سے کبھی انکار نہیں کیا ہاں میرے اور عام لوگوں کے ذرائع میں اختلاف ہے۔ میں اسلامی حکومت

کے قیام کیلئے تبلیغی اور پُر امن ذرائع اختیار کرتا ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے قائم کرنے کا طریق مار پیٹ اور جبر وتشدّد ہے۔ بہرحال یہ خواہش تو جب پوری ہوگی ہوگی اور یقیناً ایک دن پوری ہوگی دنیا کی مخالفتیں اور دشمنوں کی روکیں مل کر بھی اِس میں حائل نہیں ہوسکتیں۔

چنانچہ ایک دفعہ رؤیا میں مَیں نے اس مسجد کو جس میں مَیں اِس وقت خطبہ پڑھ رہا ہوں (مسجد اقصیٰ) دیکھا کہ میں یہاں ممبر پر کھڑا ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وائسرائے آئے ہیں کیونکہ ہمارے بادشاہ یہاں آنے والے ہیں اور وہ ان کی آمد سے پہلے انتظام دیکھنا چاہتے ہیں چونکہ پروگرام یہ ہے کہ بادشاہ یہاں کے مقدس مقامات دیکھیں گے اور مسجد کو بھی دیکھیں گے اِس لئے وائسرائے دیکھ رہے ہیں کہ آیا تمام انتظام مکمل ہے یا نہیں؟ اُس وقت میں نے دیکھا کہ مسجد اتنی وسیع ہے کہ اِس کا آخری کنارہ مشکل سے نظر آتا ہے اور سینکڑوں فوجی سپاہی پریڈ کے طور پر کھڑے ہیں مگر وہ اتنی دور ہیں کہ ان کی شکلیں پہچانی نہیں جاتیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ وائسرائے مسجد میں داخل ہوئے ہیں اور وہ تمام انتظام کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے پھر دوسرے مقدس مقامات دیکھنے کیلئے چلے گئے ہیں۔ تو یہ چیزیں آخر ہوکر رہیں گی اور کسی کے مٹانے یا نہ مٹانے کا سوال ہی نہیں۔ جس چیز کا خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے وہ آخر ہوکر رہے گی چاہے اس پر عیسائی بُرا منائیں چاہے موسائی بُرا منائیں، چاہے ہندو بُرا منائیں، چاہے سکھ بُرا منائیں یہ خدا تعالیٰ کی قضاء ہے کہ دنیا میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی اور جو چیز ایک دن ہونے والی ہو اُسے ہم نے چھپانا کیا ہے اور اِس پر اگر کوئی بُرا مناتا ہے تو ہم اس کا علاج کیا کر سکتے ہیں، مگر جب تک وہ زمانہ نہیں آتا اُس وقت تک ہمارا فرض ہے کہ جن باتوں میں حکومت ہمیں اختیار دیتی ہے ان میں اسلامی حکومت کی طرز پر تمام باتیں جاری کریں۔

بے شک اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ ہم عادی چور کا ہاتھ کاٹ دیں بلکہ وہ اسے اسلامی حکومت کا فرض قرار دیتا ہے مگر اسلام یہ اجازت تو دیتا ہے کہ چور پر تمدّنی دباؤ ڈال کر اسے چوری کی عادت سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ پس اگر کوئی چوری کرے گا تو ہم اُس کے ہاتھ نہیں کاٹیں گے لیکن ہم اس پر تمدّنی دباؤ ضرور ڈالیں گے تا اس کی اصلاح ہوجائے اور وہ آئندہ چوری کا ارتکاب نہ کرے۔

اسی طرح بے شک اسلام ہم کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ اگر کوئی شخص عَلَی الْاِعْلَان بدکاری کا ارتکاب کرے تو اُسے ہم سنگسار کر دیں بلکہ وہ اسے اسلامی حکومت کا فرض قرار دیتا ہے اور اس لئے اگر کوئی بدکاری کا عَلَی الْاِعْلَان ارتکاب کرے گا تو ہم اسے سنگسار نہیں کریں گے مگر جو تمدنی دباؤ ہے اس کے ذریعہ ہم قومی اخلاق کی درستی کر سکتے ہیں کیونکہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔

اسی طرح اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر کوئی شخص قتل کرے تو اسے سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے بلکہ وہ اسے اسلامی حکومت کا اختیار قرار دیتا ہے۔ پس اگر کوئی قتل کرے تو ہم یقیناً اسے قتل نہیں کریں گے لیکن اسلام اس بات کا اختیار ہمیں دیتا ہے کہ اگر کوئی قتل کرے تو اُس پر تمدنی دباؤ ڈالا جائے تا اُس کی اصلاح ہو۔ پس ہم تمدنی طور پر اس سے تنفّر کا اظہار کریں تا اُس کے دل میں ندامت پیدا ہو اور وہ اس بُرے فعل کا دوبارہ ارتکاب نہ کرے۔ اگر یہ طریق اختیار نہ کیا جائے تو کیا اس وجہ سے کہ اسلام قاتل کو بذاتِ خود قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہم قاتل سے بڑھ کر مصافحہ کریں گے یا اُس سے پیار کرنے لگیں گے؟ یا کیا اس وجہ سے کہ اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم چور کا ہاتھ کاٹ دیں ہم چور کو چوری کرنے کے بعد شاباش دیں گے اور کہیں گے کہ تُو نے کیسا اچھا کام کیا؟ یا کیا اِس وجہ سے کہ اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ دنیا میں جو قحبہ خانے ہیں انہیں خود بخود گرا دیا جائے ہم کنچنیوں کا گانا جا جا کر سنیں گے؟ ایک جگہ اسلام اگر ہمارے ہاتھ روکتا ہے تو دوسری جگہ ہمیں اختیار بھی دیتا ہے کہ ہم اسے استعمال کریں۔

یہی وہ طریق ہے جسے شروع خلافت سے میں نے اپنے مدنظر رکھا اور میں نے بار بار سمجھایا ہے کہ اسلامی عمارت کو مکمل کرنا اور اسے مغربی اثرات سے بچانا ہمارا فرض ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ اسلام میں ہر بیماری کا علاج موجود ہے آجکل کے مسلمان اسلامی احکام سے اتنے جاہل اور ناواقف ہوگئے ہیں کہ جب بھی وہ کوئی طریق اختیار کریں گے غیر اسلامی ہوگا حالانکہ اسلام میں وہ تمام طریق موجود ہیں جن پر کاربند ہو کر انسان اپنے حقوق کو حاصل کر سکتا اور دوسروں کے ظلم سے بچ سکتا ہے اور کسی غیر اسلامی طریق کے اختیار کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔

انہی غیر اسلامی اثرات کے ماتحت ہمارے ملک میں ہڑتالوں کا طریق رائج ہو گیا ہے اس طریق کو ہماری جماعت کے لوگ بھی بعض دفعہ اندھا دھند اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ وہ طریق ان کیلئے موزوں ہی نہیں ہوتا۔ ایک بچے کو بازار میں سے گزرتے ہوئے جب کوئی دوسرا بچہ تھپڑ مارتا ہے اور وہ اس کے جواب میں اپنا ہاتھ اُٹھاتا ہے تو اُس وقت بچے کا ہاتھ اُٹھانا بُرا نہیں لگتا لیکن جس وقت اُس کی ماں اُسے مارتی ہے اور وہ اس کے مقابلہ میں اپنا ہاتھ اُٹھاتا ہے تو سارے کہتے ہیں یہ بڑا بے ادب اور گُستاخ ہے اِس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ پہلے موقع پر اُس کا ہاتھ اُٹھانا ایک اجنبی بچہ کے مقابل میں تھا اور اب اس کا ہاتھ اُٹھانا اپنی ماں کے مقابل میں ہے۔ بازار میں سے گزرنے والے بچے میں مقابلہ میں اُس کا ہاتھ اُٹھانا اُسے سج جاتا لیکن اپنی ماں کے مقابلہ میں اُس کا ہاتھ اُٹھانا اُسے نہیں سجتا۔ اِسی طرح بازار میں سے گزرنے والے ایک لڑکے کو کوئی اجنبی اگر کہے کہ ایک ٹانگ اُٹھا کر کھڑا ہو جا تو وہ لڑکا اگر بہت زیادہ اخلاق سے کام لے گا تو خاموش ہو کر گزر جائے گا، اس سے کم اخلاق سے کام لے گا تو اسے ایک نظر دیکھ کر گزر جائے گا، اس سے کم اخلاق سے کام لے گا تو اُسے گھور کر گزر جائے گا، اِس سے کم اخلاق سے کام لے گا تو بڑبڑا کر گزر جائے گا اور اِس سے کم اخلاق سے کام لے گا تو دو چار سُنا کر گزر جائے گا کہ تُو کون ہوتا ہے جو مجھے اِس قسم کی بات کہے لیکن جس وقت سکول روم میں اُستاد لڑکے سے کہتا ہے کہ ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جا تو اُس وقت اگر لڑکا اُستاد کو وہی جواب دے جو وہ بازار میں ایک اجنبی شخص کو دیتا ہے تو سارے کہیں گے یہ بڑا ہی بدتہذیب ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بازار میں ایک اجنبی کے سامنے اس کے الفاظ سج جاتے تھے لیکن اُستاد کے سامنے نہیں سجتے۔ اِسی طرح ایک مسلمان کہلانے والے کا بھی مغربی طریقِ عمل اختیار کرنا اور اسلامی طریق کو چھوڑ دینا اسے کسی صورت میں نہیں سج سکتا۔

اسلامی عمارت جو تمدن کے متعلق ہے اس کی بنیاد انصاف اور محبت پر ہے اس لئے اپنے حقوق کے حصول کیلئے بھی وہی طریق اختیار کرنا چاہئے جو انصاف اور محبت پر مبنی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب کہیں سٹرائک ہوتی اور کوئی احمدی اس میں شریک ہوتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے سخت سزا دیتے اور اُس پر اظہارِ ناراضگی فرماتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سٹرائک یا سٹرائک کے مشابہہ بھی جب بعض احمدیوں نے کوئی حرکت کی ہم نے

اسے سخت ناپسند کیا۔ اِس لئے کہ جب اسلامی تعلیم میں ان کے مطالبات کا علاج موجود ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ اسلامی طریق اختیار نہیں کرتے اور غیر اسلامی طریق اختیار کرتے ہیں۔ زیادہ تر سٹرائکوں کا سوال مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان ہوتا ہے۔ مغربی طریق یہ ہے کہ ہر شخص اپنی طرف سے ایک حق کا مطالبہ کرتا ہے اور ان کا اصول یہ ہے کہ ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' اگر مزدور غالب آجائیں تو وہ مالکِ کارخانہ جات کے حقوق کو دبالیں گے اور اگر مالکِ کارخانہ جات غالب آجائیں تو وہ مزدوروں کے حقوق کو دبالیں گے مگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام نہ مزدور کو اجازت دیتا ہے کہ وہ سرمایہ دار کو آنکھیں دکھائے نہ سرمایہ دار کو اجازت دیتا ہے کہ وہ مزدور کو آنکھیں دکھائے کیونکہ یہ دونوں باتیں غیریت پر دلالت کرتی ہیں اور اسلام کا منشاء یہ ہے کہ سب بنی نوع انسان اپنے آپ کو بھائی بھائی سمجھیں کیونکہ خدا تعالیٰ سب کا آقا ہے اور محبت کے لحاظ سے وہ ان کا باپ ہے اس لئے آپس میں وہ طریق اختیار نہیں کیا جا سکتا جس میں غیریت پائی جاتی ہو۔ پس ان طریقوں کو اسلام کبھی جائز قرار نہیں دے سکتا۔ نہ پہلے کبھی اس نے انہیں جائز قرار دیا ہے اور نہ آئندہ قرار دے گا۔

میں کہہ چکا ہوں کہ اسلامی طریق کی بنیاد انصاف پر ہے اسلام ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ مزدور جتھہ بندی اور جماعت کی صورت میں سرمایہ داروں کو دبا کر اپنی طاقت قائم کریں اور نہ اسلام اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ سرمایہ دار جتھہ بندی اور جماعت کی صورت میں مزدوروں اور کام کرنے والوں کو نقصان پہنچائیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ غیر جانبدار شخص بیٹھیں اور انصاف کی رُو سے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کریں اور پھر دوسروں کا فرض ہے کہ اُسے قبول کریں۔ اسلامی خلافت اور نظام کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو عقل اور فہم و فراست سے کام لے کر ایک امام منتخب کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر وہ دیانتداری سے اپنے امام کے انتخاب کی جدوجہد کریں گے تو وہ خود امام کا انتخاب کر دے گا۔ اِسی وجہ سے خلافت کا انتخاب خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور گو زبان بندوں کی ہوتی ہے مگر ارادہ اور منشاء خدا تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ جیسے قلم جب لکھتا ہے تو دراصل قلم نہیں لکھتا بلکہ ہاتھ لکھتا ہے، ہاتھ بھی نہیں لکھتا بلکہ دماغ ہاتھ سے کام کراتا ہے اِسی طرح گو خلیفہ کا انتخاب بندوں کے ہاتھ سے ہوتا ہے مگر اُس کے پیچھے خدا تعالیٰ

کام کررہا ہوتا ہے اور گو زبان بندوں کی ہوتی ہے مگر دماغ پر خدا تعالیٰ کا قبضہ ہوتا ہے اور اِس طرح حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی انتخاب کرتا ہے اور وہ بندوں کا نہیں بلکہ خدائی انتخاب کہلاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں تعطّل اور تعطیل کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم ان اصولوں پر اپنے تمام کاموں کو چلائیں جو اسلامی بنیاد اور عمارت کے ساتھ وابستگی اور مطابقت رکھیں۔ اگر ہم اس طریق کو اختیار نہیں کرتے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم اسلامی حکومت دنیا میں قائم کرنا نہیں چاہتے۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہماری قادیان کی جماعت میں بعض دفعہ جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، کہیں دُکانداروں کو شکوہ ہوجاتا ہے کہ ہمارے ریٹ کم ہیں، کہیں لوگوں کو یہ شکایت پیدا ہوجاتی ہے کہ دُکانداروں کے ریٹ زیادہ ہیں۔ ابھی کل مجھے دُکانداروں کے ایک حصہ کے متعلق معلوم ہؤا کہ اُس نے اِس لئے سٹرائک کردی کہ اُن کے ریٹ کم مقرر کئے گئے ہیں۔ اس وجہ سے میں پھر ایک دفعہ تمام جماعت کو بتادینا چاہتا ہوں کہ ہمارا طریق اسلامی ہے غیر اسلامی نہیں۔ اگر کسی کا حق ثابت ہے مگر دوسرا شخص اُسے نہیں دیتا تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ جس شخص کو حق نہیں ملتا خلیفہ اُس کے ساتھ ہے اور اگر اپنے حق کے حاصل کرنے کیلئے غیر اسلامی طریق اختیار کیا جائے گا تو پھر خلیفہ اُس کا ساتھ نہ دے گا۔

خلیفہ خدا تعالیٰ کا قائم مقام ہے وہ نہ مردوں کا ہے نہ عورتوں کا، نہ چھوٹوں کا ہے نہ بڑوں کا، نہ مزدوروں کا ہے نہ سرمایہ داروں کا، وہ نہ مشرقی ہے نہ مغربی بلکہ اُس کا تعلق اُس ہستی کے ساتھ ہے جو سب سے بالا ہوکر ہر ایک کو ایک نظر سے دیکھ رہی ہے اِس لئے کوئی کسی کا حق خلافت کی موجودگی میں غصب نہیں کرسکتا۔ خواہ گاہک کا حق ہو یا دکاندار کا، خواہ مزدور کا حق ہو خواہ سرمایہ دار کا، ہر ایک کے ساتھ عدل کیا جائے گا اور ہر ایک کو انصاف کے ساتھ اُس کا حق دلایا جائے گا لیکن دیکھنا یہ پڑے گا کہ آیا عدل حاصل کرنے کیلئے وہی طریق اختیار کیا گیا ہے جو اسلامی ہے یا غیر اسلامی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ جو شخص عدل حاصل کرنے کیلئے غیر اسلامی طریق اختیار کرے گا یقیناً اُس سے کسی طرح نرمی نہیں کی جائے گی کیونکہ اس طرح ان امور میں بھی اسلامی حکومت کا قائم کرنا ناممکن ہوجاتا ہے جن امور میں اسلامی حکومت قائم کرنا ہمارے اختیار میں ہے۔ پس اِس بات کو اچھی طرح یاد رکھو اور چونکہ پچھلی باتیں ذہن سے اُتر جاتی ہیں اِس لئے مَیں

دُہرا دیتا ہوں کہ ایسے لوگ جو اپنے حقوق کے حصول کیلئے غیر اسلامی طریق اختیار کرتے ہیں وہ کسی نرمی اور رحم کے مستحق نہیں سمجھے جاسکتے کیونکہ وہ اسلامی حکومت کے قیام کو صدمہ پہنچاتے اور غیر اسلامی طریق دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پس اگر آئندہ میرے کانوں میں سٹرائک کی آواز آئے گی تو جماعت اُن سٹرائک کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرے گی اور وہ کبھی اُن سے لین دین نہیں کرے گی۔ اسی طرح اگر سرمایہ داروں میں سے کوئی شخص کسی مزدور کا حق نہیں دے گا اور اسے دبائے رکھے گا تو اُسے بھی سخت سزا دی جائے گی۔ انصاف قائم کرنا ہمارا فرض ہے اور وہ خدا جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی اُس کا قائم مقام ہونے کے لحاظ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم کسی کو کسی کا حق چھیننے اور دبانے نہ دیں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب۔ جب اسلام نے اپنے حقوق کے حصول کیلئے ایک طریق مقرر کیا ہؤا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اسے اختیار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اگر دُکانداروں کو شکایت پیدا ہوئی تھی تو اس کے ازالہ کے دو طریق تھے وہ محکمہ قضاء میں نالش کر سکتے تھے کہ ہمارے ریٹ بڑھائے جائیں اسلامی محکمہ قضاء کو سب اختیارات حاصل ہیں۔ جس وقت محکمہ قضاء میں نالش کر دی جائے اور کہا جائے کہ ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم یہ ریٹ رکھیں حالانکہ یہ ریٹ کافی نہیں تو قاضی فوراً دوسرے فریق کو اگر وہ انجمن ہے تو انجمن کو اگر امور عامہ ہے تو امور عامہ کو بُلائے گا اور اُس سے جواب طلب کرے گا اور اگر وہ ثابت کر دیں گے کہ ان کے ریٹ کم ہیں تو ان کے پہلے ریٹ منسوخ کئے جائیں گے اور جو جائز ریٹ ہوں گے وہ مقرر کئے جائیں گے اور اگر وہ اس طریق کو پسند نہیں کرتے تھے تو چونکہ یہ انتظامی معاملہ ہے اس لئے براہِ راست خلیفۂ وقت کے سامنے بھی درخواست پیش کی جاسکتی تھی۔ اسی طرح اگر پبلک کو شکایت ہو کہ دُکانداروں کے ریٹ زیادہ ہیں تو وہ انجمن کے پاس شکایت کر سکتے ہیں اور اگر انجمن دُکانداروں کیلئے ایک ریٹ مقرر کر دیتی ہے مگر کوئی دُکاندار اس کی تعمیل نہیں کرتا تو بہ اجازت اس سے قطع تعلق کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر انجمن ایک فیصلہ کرتی ہے اور دُکاندار اُس پر راضی نہیں تو وہ اس کے خلاف اپیل کر سکتا ہے جو خلیفۂ وقت کے پاس بھی ہو سکتی ہے اور محکمہ قضاء میں بھی۔ یہ تمام رستے کھلے ہیں اور اِن کے ذریعہ ہر وہ شخص جو سمجھتا ہے کہ اُس کا حق مارا جا رہا ہے اپنا حق لے سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان طریق کے خلاف چلتا اور دھمکی سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے تو اسلام دھمکی کی روح کو کسی صورت میں پسند

نہیں کرتا۔ مؤمن کے اندر تو اسلام وہ دلیری پیدا کر دیتا ہے کہ وہ نہ بادشاہ کی دھمکی سے ڈرتا ہے نہ رعایا کی دھمکی سے مگر اس کے ساتھ ہی عدل اور انصاف کی آواز کے سامنے ہر مؤمن جھک جاتا ہے خواہ وہ عدل وانصاف کی آواز ایک ذلیل ترین آدمی کے منہ سے نکلے۔ اگر ایک بادشاہ کسی مؤمن سے کہتا ہے کہ ظلم کر تو اُس مؤمن کی چھاتی تن جانی چاہئے اور اُسے کہہ دینا چاہئے کہ میں ظلم کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں لیکن اگر زمین پر گِرا ہؤا ایک اپاہج اور لُولا لنگڑا انسان جس کا منہ مکھیوں کی کثرت کی وجہ سے نظر بھی نہیں آتا تمہیں کہے کہ انصاف کرو تو تمہارا سر اُس کے سامنے جھک جانا چاہئے اور تمہیں کہنا چاہئے کہ سَمْعًا وَّ طَاعَۃً۔ یہ روح ہے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ بالکل مغربی روح کے خلاف ہے۔ مغرب جتھہ بندی کو طاقت دیتا ہے مگر اسلام انصاف کو طاقت دیتا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہمارے سارے کام اس کے مطابق ہوں اور ہر امر میں انصاف اور محبت کی روح ہم اپنے مدّ نظر رکھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ ایک صحابی اپنا گھوڑا دوسرے صحابی کے پاس فروخت کرنے کیلئے لایا اور اُس کی قیمت مثلاً دوسَو روپیہ بتائی۔ دوسرے صحابی نے کہا کہ میں اس قیمت پر گھوڑا نہیں لے سکتا کیونکہ اِس کی قیمت دُگنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو گھوڑوں کی قیمت سے واقفیت نہیں لیکن مالک نے زیادہ قیمت لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب میرا گھوڑا زیادہ قیمت کا نہیں تو میں کیوں زیادہ قیمت لوں اور اِس پر ان کی تکرار ہوتی رہی یہاں تک کہ ثالث کے ذریعہ سے انہوں نے فیصلہ کرایا۔ یہ اسلامی روح تھی جو ان دو صحابیوں نے دکھلائی۔

اسلام کا حکم یہی ہے کہ ہر شخص بجائے اپنا حق لینے اور اس پر اصرار کرنے کے دوسرے کے حق کو دینے اور اُسے قائم کرنے کی کوشش کرے جس وقت یہ روح قائم ہو جائے اُس وقت ساری سٹرائکیں آپ ہی آپ بند ہو جاتی ہیں مگر کم سے کم نیکی یہ ہے کہ جب کسی کی طرف سے اپنے حق کا سوال پیدا ہو تو وہ حق اُسے دے دیا جائے۔ یہ غیر اسلامی روح ہے کہ چونکہ دوسرے کے حق پر ہم ایک لمبے عرصہ سے قائم ہیں اور اس حق کو اپنا حق سمجھنے کی ایک عادت ہمیں ہوگئی ہے اس لئے ہم دوسرے کو وہ حق نہیں دے سکتے۔ اسلامی روح یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرے کا حق ہو اور

یہ اس پر عرصہ سے قبضہ جمائے بیٹھا ہو تو اُس کے دل میں اور بھی ندامت پیدا ہونی چاہئے کہ میں نے اتنا عرصہ ناجائز طور پر دوسرے کے حق کو غصب کیا اور اس سے فائدہ اُٹھاتا رہا۔ یہ تعلیم ہے جو اسلامی تعلیم ہے اور یہی وہ روح ہے جس کے قیام کیلئے اسلامی حکومتوں کی ضرورت ہؤا کرتی ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ ہماری حکومت اسلامی حکومت نہیں مگر خدا تعالیٰ نے ہماری حکومت کو اتنا دل دیا ہے کہ اس نے بعض امور میں مختلف مذاہب والوں کو کہہ دیا ہے کہ جاؤ ان میں حسب منشاء فیصلہ کرلو۔ یہ بھی اس کا ایک احسان ہے اور ہم اس کی قدر کرتے ہیں گو اِسی کے بعض مقرر کردہ حُکّام اس کی اس اجازت کی قدر نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ حکومت نے جن امور میں دخل دینے کی ضرورت نہیں سمجھی ان سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور حکومت کا منشاء ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ مگر وہ حُکّام لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گو حکومت نے لوگوں کو اجازت دی ہوئی ہے کہ بعض امور میں وہ باہم فیصلہ کرلیا کریں مگر اس کا منشاء نہیں کہ لوگ اس طرح فیصلہ کریں۔ گویا وہ حکومت پر جھوٹ کا الزام عائد کرتے اور اُسے منافق ثابت کرتے ہیں مگر ہم حکومت کو جھوٹا نہیں سمجھتے اور نہ اس کی اس اجازت میں کسی نِفاق کا دخل سمجھتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ جب اس کی طرف سے ایک اجازت ہے تو واقعہ میں حکومت کا منشاء یہ ہے کہ لوگ بجائے سرکاری عدالتوں میں جانے کے بعض امور میں آپس میں سمجھوتہ کرلیا کریں مگر وہ حُکّام یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حکومت یہ بات جھوٹ اور فریب سے کہہ رہی ہے۔ اصل میں اس کے دل میں یہ ارادہ نہیں۔ پس وہ حکومت کو جھوٹا اور منافق ثابت کرتے ہیں مگر ہم اس کو سچا سمجھ کر اس کی اس اجازت کی قدر کرتے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

غرض جن امور میں حکومت نے اختیار دیا ہؤا ہے ان امور میں ہمارا فرض ہے کہ ہم پورے طور پر اسلامی حکومت کا نقشہ قائم کردیں۔ اس میں جتنی غفلت لاعِلمی کی وجہ سے ہو وہ معاف کی جاسکتی ہے، جتنی غفلت انتظام کی دقّت کی وجہ سے ہو مثلاً سال دو سال کسی امر کا انتظام مکمل کرنے میں لگ جائیں تو اتنی تعویق معاف کی جاسکتی ہے مگر جن امور میں ہم اسلامی تعلیم کا احیاء کرسکتے ہیں اور پھر نہیں کرتے ان امور میں غفلت کسی صورت میں معاف نہیں کی جاسکتی اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم پر انگریزی حکومت ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کیا انگریزوں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ ان

ان باتوں میں ہم دخل نہیں دیتے جس طرح چاہو کرو پس انگریزی حکومت تو بَری ہو چکی اُس نے کہہ دیا کہ بعض امور میں تمہیں اختیار حاصل ہے جس طرح چاہتے ہو اِن کا فیصلہ کرو اس لئے وہ تمام باتیں جن میں حکومت کی طرف سے ہمیں اختیار حاصل ہے ان میں ہمیں اسلامی حکومت رائج کرنی پڑے گی۔ جو شخص احمدی رہنا چاہتا ہے اسے وہ حکومت قبول کرنی پڑے گی اور جو اس حکومت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں وہ خدا تعالیٰ کے حضور احمدی بھی نہیں کہلا سکتا۔ پس ایک دفعہ پھر مَیں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کوئی ایسا طریق برداشت نہیں کر سکتا جو غیر اسلامی ہو خواہ مزدوروں کی طرف سے ہو یا مالکوں کی طرف سے، گاہکوں کی طرف سے ہو یا دُکانداروں کی طرف سے بلکہ اگر انہیں شکایت ہو تو وہ اسلامی طریق کے مطابق اس کے خلاف متعلقہ افسروں کے پاس درخواست کریں۔ مثلاً مالک اگر کام کرنے والے نوکروں کی غیر معقول اُجرت مقرر کر دیں اور کہہ دیں کہ اس سے زیادہ ہم ہرگز نہیں دیں گے تو اس حکم کے خلاف درخواست کی جاسکتی ہے یا اگر دُکاندار کو اپنی اشیاء کے نرخوں کی کمی کے متعلق شکایت ہو تو وہ بھی درخواست کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ جتھہ بازی کی صورت بنائیں گے اور دھمکی سے اپنی بات منوانے کی کوشش کریں گے تو خواہ وہ مزدور ہوں یا سرمایہ دار، دُکاندار ہوں یا گاہک، دونوں سزا کے مستحق ہوں گے۔

خلافت تو ایک محبت کا رشتہ ہے اور جو شخص خلافت کو تسلیم کرتا ہے وہ اپنے قول و عمل سے اِس کا بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں خلافت اور اس کے نظام پر اعتبار کرتا ہوں اور جب وہ اعتبار کرتا ہے تو اپنی حق تلفی یا کسی شکایت کے پیدا ہونے پر ہمارے پاس آتا کیوں نہیں اور اگر آنا نہیں چاہتا تو معلوم ہؤا اُسے اعتبار نہیں اور اگر اُسے اعتبار نہیں تو پھر اُس نے بیعت کیوں کی تھی؟ جب اسلام میں حکومت اور خلافت جمع تھیں اُس وقت تو کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ مجھے خلافت پر تو اعتبار نہیں لیکن کیا کروں حکومت بھی تو اسلامی ہے مگر اب تو خلافت الگ ہے اور حکومت الگ اور جب بھی کوئی شخص بیعت کرتا ہے اپنی مرضی اور منشاء سے کرتا ہے اور اس امر کا اظہار کر کے بیعت کرتا ہے کہ مجھے نظامِ سلسلہ پر اعتبار ہے۔ اِس صورت میں اُس کا فرض ہے کہ وہ نظامِ سلسلہ پر اعتبار کرتے ہوئے اُس کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے اور اگر وہ پیش نہیں کرتا تو معلوم ہوا اُسے اعتبار نہیں

اور جب اُسے اعتبار نہیں تو اُس نے بیعت کیوں کی تھی۔ پس میں جماعت کو ایک دفعہ پھر نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر اسلامی طریق جاری کرے جس کے ذریعہ ہر حقدار کو اُس کا حق مل سکتا ہے غیر اسلامی طریق جاری نہ کرے جو نتائج کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی جماعت کیلئے مفید نہیں ہو سکتے۔

قاضیوں کو بھی چاہئے کہ جب وہ قضاء کی کُرسی پر بیٹھے ہوئے ہوں اُس وقت وہ چھوٹوں اور بڑوں، افسروں اور ماتحتوں، مزدوروں اور سرمایہ داروں، غریبوں اور امیروں، کمزوروں اور طاقتوروں کے تمام امتیازات کو مٹا کر بیٹھیں جس طرح خدا تعالیٰ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے اور اس کی بادشاہت میں کسی کی حق تلفی نہیں ہو سکتی اسی طرح وہ بھی جزاء وسزا کے مالک ہوتے ہیں انہیں بھی چاہئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اس صفت کے انعکاس میں فیصلہ کرتے وقت کسی کی حق تلفی نہ ہونے دیں وہ قضاء کے وقت خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں اور اُس وقت اُن کے دل پر کسی قسم کا اثر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اُن کا دل ایسا ہی غیر کے اثرات سے منزّہ ہونا چاہئے جیسے خدا تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے اور اگر وہ اس کو نبھا نہیں سکتے تو پھر قضا کا ہر فیصلہ قیامت کے دن ان کے گلے میں لعنت کا طَوق بن کر پڑے گا۔ قضاء کوئی کھیل نہیں، تماشا نہیں بلکہ بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔

ایک مشہور بزرگ جن کی آدھی اسلامی دنیا تابع ہے انہوں نے قضاء کی وجہ سے ہی بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائی میری مراد اس سے حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ انہیں بادشاہ نے قاضی مقرر کیا مگر انہوں نے کہا میں اس کا اہل نہیں کسی اور کو قاضی بنا دیا جائے۔ بادشاہ نے زور لگایا مگر وہ انکار کرتے چلے گئے آخر اُس نے انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا وہاں انہیں مارا گیا، پیٹا گیا اور اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ان کی صحت بگڑ گئی اور آخر فوت ہو گئے مگر انہوں نے قضاء کا عہدہ قبول نہ کیا۔

ایک اور بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں قاضی القضاۃ یعنی ہائی کورٹ کا چیف جج مقرر کیا گیا۔ دوست انہیں مبارکباد دینے آئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہ کیا؟ ہم تو آپ کو مبارکباد دینے آئے تھے۔ وہ کہنے لگے مبارکباد کیسی؟ انہوں نے کہا مبارک باد اِس بات کی کہ آپ حکومت کی طرف سے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگے یہ مبارکباد دینے کی کون سی بات ہے اس میں تو تمہیں مجھ سے ہمدردی کرنی چاہئے۔ ان کے دوست اس بات کو نہ سمجھے تو

انہوں نے کہا دیکھو! دو شخص لڑتے ہوئے میرے پاس آئیں گے فرض کرو ایک شخص کہے گا اس نے میرے سَو روپے دینے ہیں مگر دیتا نہیں دوسرا کہے گا کہ میں نے اس کے کوئی روپے نہیں دینے۔ اب جو کہتا ہے کہ اس نے میرے سَو روپے دینے ہیں وہ بھی جانتا ہے کہ اُس نے روپے دینے ہیں یا نہیں اور جو کہتا ہے کہ میں نے روپے نہیں دینے وہ بھی جانتا ہے کہ اُس نے روپے دینے ہیں یا دے دیئے ہیں مگر میں ان کا فیصلہ کرنے بیٹھوں گا حالانکہ نہ مجھے یہ پتہ ہوگا کہ اس نے روپے دینے ہیں یا نہیں اور نہ یہ پتہ ہوگا کہ دوسرے نے روپے لینے ہیں یا نہیں گویا میں دو سو جا کھوں میں اندھا ہوں گا۔ وہ دونوں جانتے ہوں گے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا اور مجھے نہ یہ پتہ ہوگا کہ سچ کیا ہے اور نہ یہ پتہ ہوگا کہ جھوٹ کیا؟ لیکن فیصلہ میں کروں گا۔ تو قضاء کا عہدہ معمولی عہدہ نہیں۔ اگر کوئی شخص سچے دل سے قضاء کے فرائض سرانجام دیتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشان فضلوں کا وارث ہوجاتا ہے کیونکہ دنیا میں انصاف قائم کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ جس شخص کو قضاء کا عہدہ ملتا ہے اُس کیلئے فوراً دو کھڑکیاں کھل جاتی ہیں ایک جہنم کی طرف سے اور ایک جنت کی طرف سے اور اس کے یہ اپنے اختیار میں ہوتا ہے کہ چاہے تو وہ جہنم میں چلا جائے اور چاہے تو جنت کا وارث بن جائے۔ اگر وہ انصاف سے کام نہیں لیتا، بڑوں کی رعایت کرتا ہے، جلدی جوش میں آجاتا ہے اور حقیقت معلوم کرنے کی پوری کوشش نہیں کرتا تو جہنم اس کے قریب ہوجاتی ہے اور اگر وہ انصاف سے کام لیتا ہے، بڑوں کا لحاظ نہیں کرتا، چھوٹوں کی حق تلفی نہیں کرتا اور جلد بازی سے کام نہیں لیتا بلکہ پورا غور کرنے کے بعد فیصلہ کرتا ہے تو جنت اُس کے قریب ہوجاتی ہے اور باوجود اَور ہزاروں قسم کی کمزوریوں کے وہ جنت کا مستحق سمجھا جاتا اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہوجاتا ہے۔

پس میں قاضیوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دلیر، منصف اور عادل بننے کی کوشش کریں اور کسی انسان سے نہ ڈریں بلکہ خدا تعالیٰ سے ڈریں۔ قاضی ہونے کی صورت میں ان کا تعلق براہِ راست خدا تعالیٰ سے ہوجاتا ہے اور کوئی علاقہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ پس انہیں صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر اپنی نگاہ رکھنی چاہئے اور اگر دنیا کے سارے افسر، دنیا کے سارے حُکّام اور دنیا کے سارے بادشاہ مل کر بھی ان کے مخالف ہوجائیں تو وہ وہی کریں جو انصاف ہو اور کسی کا ڈر اپنے دل میں پیدا نہ ہونے دیں مگر یہ شرط ہے کہ وہ قانون کے اندر رہتے ہوئے انصاف کریں۔

اگر قانون میں کوئی نقص ہے تو اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جنہوں نے قانون بنایا قاضیوں پر نہیں۔ پس انہیں اِس بات کی اجازت نہیں کہ قانون توڑیں بلکہ قانون کے اندر رہتے ہوئے وہ انصاف کریں اور ہر حق دار کو اس کا حق دلانے کی کوشش کریں۔

دوسری طرف میں جماعت کے احباب کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ اس میں سے جو لوگ اپنے گھروں میں ملازم رکھتے ہیں وہ ملازموں کی اور جو گاہک ہیں وہ دُکانداروں کی مشکلات سمجھیں۔ دیانت ہمارے مُلک سے بہت حد تک اُٹھ چکی ہے اور ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کو جس حد تک ممکن ہو لُوٹے اور نقصان پہنچائے۔ افسر اور مالک جو نوکر رکھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کے نوکر تو دیانتداری سے کام کریں لیکن وہ خود دیانتداری سے ان کا حق ادا کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ اسی طرح ملازم چاہتے ہیں کہ انہیں تنخواہ مل جائے لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ کام بھی دیانتداری سے ہوا ہے یا نہیں۔ گویا دونوں ایک دوسرے کا خون چوسنے کی کوشش کر رہے ہیں ان حالات میں اگر امن ہو تو کس طرح ہو۔ امن تبھی قائم ہوسکتا ہے جب دونوں اپنے اپنے فرائض کو سمجھیں۔ جو لوگ نوکر نہیں رکھ سکتے وہ نہ رکھیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں خود کام کرنے کی توفیق دی ہوئی ہے لیکن اگر کوئی نوکر رکھتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ اس سے انصاف اور حُسنِ سلوک کرے۔

اسی طرح جب کوئی دُکان سے سَودا لینا چاہے تو اس کا فرض ہے کہ جو جائز قیمت وہ مانگے اُسے دے اور اس کی حق تلفی کرنے کی کوشش نہ کرے اور دُکاندار کا فرض ہے کہ وہ صاف اور سُتھری چیز پیش کرے اور جو جائز قیمت ہو وہ وصول کرے۔ مگر اب دونوں طرف سے ظلم ہوتا ہے گاہک چاہتے ہیں کہ دُکاندار کم قیمت وصول کریں اور دُکاندار اس کا علاج یہ سوچتے ہیں کہ وہ ناقص اور گندی چیزیں کم قیمت پر گاہکوں کو دے دیتے ہیں۔ میں تو سَودا لینے نہیں جاتا لیکن چونکہ سَودے ہمارے گھروں میں آتے رہتے ہیں اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ سَودوں میں دیانت سے کام نہیں لیا جاتا۔ میں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی کہ آٹے میں بِالعموم مٹی ملی ہوئی ہوتی ہے پھر مصری میں بھی بہت کچھ میل اور گند ہوتا ہے یہ دو چیزیں تو ایسی ہیں جو فوراً نظر آجاتی ہیں۔ چنانچہ مصری کے ہر چمچہ میں انسان اگر آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے بہت سی مٹی ملی ہوئی دکھائی دے گی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض وزن زیادہ کرنے کیلئے مصری میں مٹی ملا لی جاتی ہے۔ اسی طرح آٹے

میں ریت اور مٹی ہوتی ہے دانت کے نیچے آٹے کو ذرا چبا کر دیکھو فوراً اس میں سے کِرکِر کی آواز آنے لگے گی۔ عام طور پر لوگ ہمارے ملک میں اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ اگر وہ صرف لُقمہ کو چبا چبا کر کھانے کی عادت رکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ آٹا نہیں کھا رہے بلکہ گند کھا رہے ہیں۔ نوّے فیصدی آٹا ایسا ہوتا ہے جس میں کِرکِر ہوتی ہے ذرا اسے دانتوں کے نیچے دباؤ کِرکِر کی آواز آنے لگ جائے گی اور یہ صحت کیلئے نہایت ہی مضرّ ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ دھوکا بازی بھی ہے کہ دُکاندار قیمت خالص آٹا کی وصول کرتے ہیں اور آٹا وہ دیتے ہیں جس میں ریت اور مٹی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ بددیانتی صرف اس کا نام نہیں کہ تم کسی کا ناحق روپیہ لے لیتے ہو بلکہ بددیانتی اس کا بھی نام ہے کہ تم کسی کی کوڑی اُٹھا لیتے ہو۔ اسی طرح بددیانتی صرف اسی کا نام نہیں کہ تم ۹۵ فیصدی آٹا اور ۵ فیصدی مٹی ملا کر دو بلکہ اگر تم اٹھانویں فیصدی آٹا اور دو فیصدی مٹی ملاتے ہو یا ننانویں فیصدی آٹا اور ایک فیصدی مٹی ملاتے ہو، یا ساڑھے ننانوے فیصدی آٹا اور نصف فیصدی مٹی ملاتے ہو بلکہ اگر تم ۹۹۹ حصے آٹا اور ہزارواں حصہ مٹی ملاتے ہو تو وہ بھی ویسی ہی بددیانتی اور گندی عادت ہے جیسے ۵ فیصدی مٹی ملانا۔ نیکی اور بدی دل سے تعلق رکھتی ہے جس طرح اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں اخلاص سے ایک پیسہ دیتا اور وہ یہ امید رکھتا ہے کہ یہ ایک پیسہ امیر آدمی کے ایک لاکھ روپیہ سے کم نہ سمجھا جائے اور وہ اخلاص سے ایک پیسہ دے کر سمجھتا ہے کہ اُس نے لاکھ روپیہ دینے والے جیسی قربانی کی اور اِسی طرح اگر کوئی شخص پانچ فیصدی ٹھگی کرتا ہے تو وہ بھی ٹھگ ہے اور جو ہزارواں حصہ کی ٹھگی کرتا ہے وہ بھی ویسا ہی ٹھگ ہے۔ جس طرح نیکی کی جزاء نیت پر ہے اسی طرح بدی کی سزا بھی نیت پر ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی راہ میں ایک غریب شخص نے اخلاص سے ایک پیسہ دیا اور دوسرے امیر نے ایک لاکھ روپیہ دیا بلکہ وہ اخلاص دیکھتا اور اس کے مطابق جزاء دیتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ یہ نہیں دیکھے گا کہ ایک نے پانچ فیصدی ٹھگی کی اور دوسرے نے آدھ فیصدی بلکہ وہ کہے گا کہ دونوں نے ٹھگی کی۔ پانچ فیصدی ٹھگی کرنے والے نے بھی ٹھگی کی اور ہزارواں حصہ ٹھگی کرنے والے نے بھی ٹھگی کی۔ تقدّس اور نجاست کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور جس طرح زیادہ نیکی بھی نیکی اور تھوڑی نیکی بھی نیکی سمجھی جاتی ہے اسی طرح زیادہ بدی بھی بدی اور تھوڑی بدی بھی بدی سمجھی جاتی ہے۔ ممکن ہے یہاں کے

دُکاندار خود اِس قسم کی حرکات نہ کرتے ہوں اور باہر سے بے احتیاطی سے اسی قسم کا ناقص مال لاتے ہوں لیکن اس صورت میں بھی وہ بری نہیں ہوسکتے کیونکہ اگر کوئی شخص جاتا ہے اور رہٹ والے سے گندہ آٹا لاتا ہے تو یہ اسی کا قصور ہے۔ اگر گندہ آٹا تھا تو یہ کیوں لایا۔ اسے چاہئے تھا نہ لاتا اور اگر یہ ناقص مال سمجھ کر سَستا لے آیا ہے تو معلوم ہؤا کہ یہ بِلا واسطہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مثلاً دوسری جگہ سے اچھا آٹا خریدتا تو اس کے ایک سَو ایک روپے خرچ ہوتے لیکن جس رہٹ والے سے اس نے خریدا اسے سَو روپے دینے پڑے تو اس صورت میں بھی یہ ٹھگ ہے کیونکہ یہ دوسرے کی ٹھگی میں شریک ہوتا ہے۔ پس اگر اس قسم کی ٹھگی یہ خود نہیں کرتا بلکہ باہر سے ناقص سَودا لاتا اور بیچتا ہے تو بھی یہ ویسا ہی ٹھگ ہے جیسے اپنے ہاتھ سے آٹے میں مٹی ملانے والا۔ ولایت میں کئی چور ایسے ہیں جو یتیم بچوں کی پرورش کرتے اور پھر ان کے ذریعہ چوریاں کرواتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو وہ یتیم بچوں کے ذریعہ چوریاں کروانے کی وجہ سے کم چور ہیں اور اگر خود چوری کرتے تو زیادہ چور ثابت ہوتے؟ وہ ویسے ہی چور ہیں جیسے اپنے ہاتھ سے چوریاں کرنے والے۔ اسی طرح جب تم رہٹ والے سے ناقص آٹا لاتے اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ خراب ہے تو تم بھی ویسے ہی مُجرم ہو جیسے اپنے ہاتھ سے آٹے میں مٹی یا ریت ملانے والا۔ جب تم امرتسر کی منڈی سے مصری اور آٹا وغیرہ خرید کر لاتے ہو تو کیا وجہ ہے تمہیں وہ مٹی کے دانے نظر نہیں آتے جو ہمیں نظر آتے ہیں۔ آخر خراب سَودا لانے کی یہی وجہ ہے کہ وہ تمہیں سَستا مل جاتا ہے پھر تم کیوں ویسے ہی فریبی نہیں جیسے وہ جو اپنے ہاتھ سے مصری اور آٹا مٹی ڈال کر خراب کرتے ہیں۔ کئی لوگ بظاہر دیانتدار بھی ہوتے ہیں اور وہ مٹی نہیں ملاتے لیکن جب گیہوں کو صاف کرنے کیلئے زمین پر پھیلاتے ہیں تو پھر انہیں سمیٹتے وقت جب جھاڑو دیں گے تو پاؤ یا سیر کے قریب اس میں مٹی بھی ملا دیں گے اور اپنی طرف سے یہ سمجھیں گے کہ ہم تو بڑے دیانتدار ہیں مگر وہ بھی دیانتدار نہیں کیونکہ وہ ایسے حالات پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں لوگوں سے دھوکا اور فریب ہو جاتا ہے۔ پس میں دونوں فریق کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسلامی طریق اختیار کریں۔ خریداروں کو بھی چاہئے کہ وہ دھوکا سے دُکانداروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں اور دُکانداروں کو بھی چاہئے کہ وہ گاہکوں کو فریب سے گندی چیزیں نہ دیں۔ اسی طرح نوکروں کو بھی چاہئے کہ وہ دیانتداری سے اپنے فرائض ادا کریں اور

نوکر رکھنے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ ان سے ناجائز سختی نہ کریں اور نہ ان کے حقوق تلف کریں۔ اور اگر تم دیانتداری اختیار کرو تو یقیناً اس سے تمہیں نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ ہمارے مُلک کا عام اخلاقی معیار بہت بلند ہو جائے گا اور دین کو اس ذریعہ سے جو مدد پہنچے گی وہ مزید برآں ہے۔ پس گزشتہ واقعہ کے متعلق میں دُکانداروں کے اُس حصہ کو جس نے سٹرائک کی، تنبیہہ کرتا ہوں اور آئندہ کیلئے انہیں بتا دیتا ہوں کہ ہم اِس قسم کی حرکت برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارا طریق اسلامی ہے اور ہم اسلامی طریق ہی دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں لاکھوں آدمیوں کی ضرورت نہیں بلکہ اخلاص، محبت اور دین پر عمل کرنے والے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنا سب کچھ اسلام کیلئے قربان کر دینا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھیں اور اگر اِس روح کے رکھنے والے دس آدمی بھی ہوں تو یقیناً ان دس آدمیوں کے ذریعہ ہی دنیا فتح ہوگی اور کوئی طاقت ان کی فتح میں روک بن کر حائل نہیں ہو سکے گی۔ وہ لاکھوں آدمی ہمیں کام نہیں دے سکتے جو اسلامی زندگی کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کیلئے تیار نہیں بلکہ اخلاص رکھنے اور اسلام کے مطابق اپنی عملی زندگیاں بنانے والے آدمی ہمیں کام دے سکتے ہیں۔ اگر آدمیوں کی کثرت اسلام کو غلبہ دے سکتی تو کروڑوں مسلمان کہلانے والے دنیا میں موجود تھے وہ کیوں اسلام کو دنیا پر غالب نہ کر دیتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کو چھوڑ کر ایک چھوٹی سی جماعت کو اس لئے دوبارہ دنیا میں کھڑا کیا ہے تا کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً[1] کا نشان دنیا پر ظاہر کرے اور بتائے کہ کئی چھوٹی جماعتیں ہوتی ہیں مگر خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ بڑی بڑی جماعتوں کو مغلوب کر لیتی ہیں۔

(الفضل ۱۸؍ مارچ ۱۹۳۶ء)

---

[1] البقرة: ۲۵۰